لیبیا میں مغربی ممالک کی دلچسپی کی وجوہات معاشی ہیں!

ویسے تو اس وقت پورا مشرقِ وسطیٰ بارود کا ڈھیر بنا ہوا ہے اور اُردن، شام، یمن، بحرین سمیت تقریباً پورے مشرقِ وسطیٰ اور شمال افریقی ممالک میں پُر تشدد مظاہرے جاری ہیں لیکن لیبیا کی صورتِ حال خاصی مختلف ہے جہاں عوامی مظاہروں اور مخالفین کے کئی اہم شہروں پر قبضے کے بعد کرنل قذافی کے حامیوں اور مخالفین کے درمیان خونریز تصادم شروع ہوا۔ اس خونریزی کو جواز بناتے ہوئے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی رسمی اجازت کے بعد امریکا اور ناٹو افواج نے لیبیا پر حملہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے بحران کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسری جانب بحرین میں حکومت مخالف مظاہرین کو کچلنے کے لیے سعودی افواج کے بحرین میں داخل ہو کر کارروائی کرنے پر مغربی منصوبہ سازوں نے چپ سادھ لی۔ اِس سے قبل مصر میں امریکا نے خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے حسنی مبارک کی جگہ فوج کے اقتدار سنبھالنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جبکہ مراکش اور اُردن کے معاملے میں بھی خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اب محسوس ہو رہا ہے کہ شام میں ہونے والے پُر تشدد مظاہروں کے بعد مغرب ایک بار پھر بشر الاسد کی حکومت گرانے کے لیے متحرک ہو گا اور وہاں بھی اپنی پسند کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

چونکہ شام کا معاملہ ابھی دور ہے اس لیے لیبیا کی صورت حال کے مطالعے سے پورے مشرقِ وسطیٰ میں شروع ہونے والے سیاسی کھیل کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کیونکہ اب مغربی تجزیہ نگار یہ خیال ظاہر کر رہے ہیں کہ لیبیا میں کرنل قذافی کی فوجوں کی طرف سے مزاحمت کی وجہ سے مغرب کے فوجی آپریشن کو مکمل ہونے میں کئی مہینے لگ سکتے ہیں حالانکہ امریکی صدر بارک اوباما اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ یہ آپریشن جلد ہی بند کر دیا جائے گا جس کی اُمید کم ہی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کی سیاسی صورتِ حال پر گفتگو کرتے ہوئے

ہمیں یہ بات مد نظر رکھنا ہوگی کہ جدید مغربی ریاستی تصور کی رو سے کسی ملک کے عوام کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کی تبدیلی کریں، اس مقصد کے لیے وہ کوئی بھی راستہ اختیار کرسکتے ہیں۔ اگر ملک میں کثیر الجماعتی جمہوریت ہے تو پھر انتخابات تبدیلی کا ذریعہ ہوتے ہیں لیکن اگر شخصی یا فوجی آمریت مسلط ہو تو عوام کو احتجاج اور پُر تشدد مظاہروں کا طریقہ بھی اپنانا پڑتا ہے مگر یہ خالصتاً اندرونی معاملہ ہوتا ہے جس میں بیرونی مداخلت پیچیدگیاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہے لیکن جدید دنیا میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جب دنیا ایک گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کرچکی ہے تو کسی ایک ملک میں ہونے والی صورت حال دیگر ممالک پر بھی براہِ راست اثر انداز ہوسکتی ہے، اس لیے آج کسی ملک میں رونما ہونے والے واقعات سے دوسرے ممالک لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ خاص طور پر جب عوام پر ریاستی تشدد اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو معاملہ کسی بھی طور اندرونی نہیں رہتا بلکہ حقوقِ انسانی کا عالمی مسئلہ بن جاتا ہے مگر اس سلسلے میں دوہرا معیار نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ امریکا اور اس کے اتحادیوں نے مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک میں ہونے والی بے چینی پر ظاہر کیا ہے یعنی لیبیا پر تو سلامتی کونسل کی اجازت سے براہِ راست حملہ کردیا جبکہ بحرین میں سعودی عرب کی فوجی مداخلت پر خاموشی اختیار کرلی۔ جس کی وجہ سے صورتِ حال مزید پیچیدہ اور گنجلک ہوچکی ہے۔

مسلم دنیا میں امریکا اور اس کے حلیف ممالک کے خلاف پہلی عراق جنگ ۱۹۹۱ء کے بعد سے شدید غم وغصّہ موجود ہے جس میں ۹/۱۱ کے بعد افغانستان اور عراق پر حملوں کے بعد شدت آئی ہے۔ اس صورتِ حال میں مجاہدین مسلمانوں سے ہم دردانہ جذبات وصول کررہے ہیں اور اس کے نتیجے میں مسلم Mindset ٹکراؤ کی طرف رجحان اختیار کررہا ہے جس کا فوری فائدہ بھی بہرحال مغربی استعماری قوتوں ہی کو پہنچے گا۔

اگر اس پوری صورتِ حال کا عالمی مسابقتی سوچ کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو بات بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے۔ بحرین میں اس مفروضے کی بنیاد پر عوامی خواہشات کے برخلاف موجودہ حکمرانوں کی سرپرستی کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ شیعہ اکثریت اقتدار میں آکر لازمی طور پر ایران کی طرف جھکاؤ کا مظاہرہ کرے گی جس سے امریکی مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لیے شورش کو طاقت سے کچلے جانے پر کوئی ردّ عمل ظاہر نہ کرو جبکہ لیبیا پر حملہ

کرنے کا مقصد لیبیائی عوام کو جمہوریت سے فیض یاب کرنے سے زیادہ اس حکمران سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خواہش شامل ہے جو نہ صرف مغربی ممالک بلکہ بیشتر عرب ممالک کے لیے گذشتہ ۴۲ برس سے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ اس لیے مشرقِ وسطیٰ میں کارروائیاں جمہوریت کے عظیم تر مفاد کی بجائے مغرب کے معاشی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جارہی ہیں۔ اس کے علاوہ امریکا ان ممالک کے دانت بھی نکالنا چاہتا ہے جو اس خطے میں اسرائیل کے لیے کسی قسم کا چیلنج بن سکتے ہیں۔

عراق کے بعد شام اور لیبیا گو کہ فوجی اعتبار سے چیلنج نہیں ہیں لیکن وہاں کی حکومتیں اسرائیل مخالف جذبات کو اُبھارنے اور ان قوتوں کی مالی امداد کرنے کی پوزیشن میں ہیں جو اسرائیل کے وجود کے لیے کسی بھی وقت خطرہ بن سکتی ہیں۔ خاص طور پر لیبیا جو اقتصادی طور پر اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ وہ مختلف جنگجو گروپوں کی کئی برس تک مالی امداد کرسکتا ہے جو اسرائیل کے وجود کو شدید نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا ہدف تیل کے ذخائر پر قبضہ جمانا اور اس خطے کو اپنی ضروریات کے مطابق Restructure کرنا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ لیبیا میں عوامی بے چینی کا سبب مصر اور تیونس کی طرح معاشی بدحالی نہیں ہے بلکہ شخصی آزادی ہے۔ لیبیا سعودی عرب اور کویت کے بعد خطے کا وہ تیسرا ملک ہے جہاں مغربی تصورِ اظہارِ رائے کے مطابق شدید قدغنیں عائد ہیں اور عوام کو حکومتی پالیسیوں سے اختلاف کا حق نہیں۔ عام طور پر یہ تصور ہے کہ ۴۲ برس سے ایک متلوّن مزاج فوج آمر ملک کے سپیدہ وسیاہ کا مالک ہے جو موروثی حکمرانی قائم کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ لیبیا کے عوام بندشوں اور پابندی سے اکتاہٹ کا شکار ہوکر تبدیلی کے لیے میدانِ عمل میں کود ے ہیں۔ لیکن بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ لیبیا میں ہونے والے فسادات کے پیچھے مغربی منصوبہ سازوں کی ریشہ دوانیوں کا بھی ہاتھ ہے جو اس ملک کو عدم استحکام کا نشانہ بناکر اس کے تیل کے ذخائر کو اپنے کنٹرول میں کرنے کی خواہش مند ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لیبیا، جو دنیا کا تیل پیدا کرنے والا ۱۲ واں بڑا ملک ہے اور جو روزانہ اوسطاً 41.5Gbb خام تیل نکالتا ہے، اس کے تیل کے ذخائر قومی ملکیت ہیں اور تیل نکالنے والی سب سے بڑی کمپنی نیشنل آئل کارپوریشن ہے جو تیل کی کل پیداوار کا ۷۲ فیصد حصہ نکالتی ہے۔ اس طرح غیر ملکی کمپنیوں کو صرف ۲۸ فیصد تیل تک رسائی حاصل ہے۔ نتیجتاً تیل سے

ہونے والی ۹۵ فیصد آمدنی سیدھی خزانے میں جاتی ہے جو مغربی سرمایہ کاروں کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشرے میں جب اقوام متحدہ نے لیبیا پر پابندیاں عائد کی تھیں تو اس کی شرح نمو میں ۴۲ فیصد کمی آگئی تھی۔ لیکن ۲۰۰۶ء میں امریکا کی جانب سے لیبیا کو دہشت گردی کی سرپرستی کرنے والے ممالک کی فہرست سے خارج کرنے کے بعد یہاں بہت تیزی کے ساتھ بیرونی سرمایہ کاری ہوئی اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بڑھا جس کے نتیجے میں آج شرح نمو 10.6 فیصد تک جا پہنچی ہے۔ امریکا اور مغربی ممالک اس کی اس ترقی سے بھی خائف ہیں۔

اب دوسری طرف آیئے، لیبیا میں شہری آبادی ۸۴ فیصد ہے جبکہ ۱۶ فیصد دیہی آبادی بڑی شاہراہوں کے ذریعے شہروں سے جڑی ہونے کے سبب خاصی خوشحال ہے۔ چونکہ لیبیا میں اُجرتیں بھی دیگر شمالی افریقی ممالک کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہیں، اس لیے دنیا کے بیشتر ممالک سے افرادی قوت لیبیا کی طرف کھنچی چلی آتی ہے، جس کی وجہ سے شرحِ نمو میں اضافہ اور معیشت میں استحکام آرہا ہے۔ ایک اور نقطہ نظر یہ بھی سامنے آیا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں ہونے والی شورش بے شک عوامی ردعمل کا نتیجہ ہے لیکن اس کے پس پشت تیل کی عالمی کمپنیوں کی دولت بھی کارفرما ہے۔ خاص طور پر لیبیا کے معاملے میں یہ ہاتھ صاف نظر آتا ہے کیونکہ جب سے مشرقِ وسطیٰ میں بحران شروع ہوا، تیل کی قیمتوں میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا لیکن لیبیا میں اتحادی فوجوں کی کارروائی کے ساتھ ہی اضافہ کی شرح میں تیزی کا رجحان کم ہو گیا۔ لہٰذا جو تجزیہ نگار لیبیا میں ہونے والی شورش کے پیچھے مغربی ایجنسیوں کا ہاتھ دیکھ رہے ہیں، وہ خاصی حد تک صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت پر عوامی اعتماد ہر ملک کے عوام کا اسلامی حق ہے۔ آمریت اور پشتینی بادشاہت کی مذمت کی جانی چاہیے، چاہے وہ لیبیا میں ہو یا کسی اور ملک میں۔ لیکن ساتھ ہی عالمی استعمار کی ترقی پذیر ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی مخالفت بھی جمہوریت پسند حلقوں کی ذمہ داری ہے۔ عوام میں پائی جانے والی بے چینی کے نام پر کسی گماشتہ گروہ کو ان پر مسلط کرنے کی کوشش کی بھی شدومد سے مخالفت کی جانی چاہیے۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں جس نیو ورلڈ آرڈر کا تصور جارج بش سینئر نے پیش کیا تھا، اب اوباما انتظامیہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے سرگرم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس عمل کی بہر حال مذمت اور مخالفت کی جانی چاہیے۔ (بہ شکریہ روزنامہ 'ایکسپریس' لاہور: ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء)